منافع حج کا مشاہدہ ہونا چاہیئے

محمد جعفر پھلواروی

صحیح تعداد تو نہیں بتا سکتا صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آج تک حج کے موضوع پر جتنی تقریریں کی ہیں۔ خواہ وہ جمعے کے خطبے ہوں یا ریڈیائی خطابات — اور جتنے مضامین لکھے ہیں ان کی تعداد کم و بیش سو تو ضرور ہوگی۔ ان میں جہاں بعض نکات کی تکرار ہے وہاں بعض نئے نئے نکتے بھی ہیں۔ اب اُن مضامین کو دُہرانا پسند نہیں کرتا۔ صرف ربطِ کلام کے لئے سرسری اشارات پر اکتفا کروں گا۔ ان کے بغیر وہ باتیں تشنہ رہیں گی جو مَیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام دوسری عبادات میں عقل غالب اور عشق مغلوب ہوتا ہے لیکن حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں عقل عشق کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ اقبال کا یہ شعر حج ہی پر صادق آتا ہے کہ ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

۲۔ یوں تو تمام عبادات میں مساوات کی تربیت دی جاتی ہے لیکن مساوات کا جو نظارہ حج میں نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اس سعادت کی توفیق بخشے۔

۳۔ یہ ایک ایسی عالمی بین الملّتی کانفرنس ہے جو بیک وقت روحانی بھی ہے اور قومی و سیاسی بھی۔ یہ محض ایک ثواب کا کام اور "یاترا" نہیں بلکہ اقطارِ عالم کے تمام مسلمانوں کے درمیان ثقافتی، سیاسی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، سائنسی روابط کا ذریعہ ہے۔

۴۔ حج بڑی عمدہ تربیت ہے اس بات کی کہ ایک پاک نفس مجاہد کی سپاہیانہ زندگی کیسی متحرک ہونی چاہیئے۔

✠

جہاں تک عشق و دیوانگی کا تعلق ہے وہ تو مناسک کی ایک ایک ادا سے واضح ہے۔ بے ڈھنگا

لباس ناتراشیدہ، ناخن اور بال بڑھے ہوئے، غبار میں اَٹے ہوئے، کسی جگہ چکر کاٹ رہے ہیں تو کہیں اِدھر سے اُدھر دوڑیں لگا رہے ہیں، دیوانوں کی طرح کنکریاں چُن رہے ہیں اور پھر وہی کنکریاں مار رہے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ کی خاک چھان رہے ہیں۔ سر منڈوا رہے ہیں یعنی بظاہر کوئی کام ایسا نہیں جسے فرزانے ڈھنگ کا کام قرار دیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ادائے مناسک کی ترتیب میں وہ علاقانہ جکڑبندی نہیں جو دوسری عبادات میں ہے۔ دیوانگی کے انداز فرزانگی کے انداز سے مختلف ہوتے ہیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور موطا سب میں یہ روایت موجود ہے کہ:

(عن ابن عمرو بن العاصؓ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف فی حجۃ الوداع لمنیٰ للناس یسئلونہ فجاءہ رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح۔ قال اذبح ولاحرج۔ فجاءہ آخر فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی۔ قال ارم ولاحرج۔ فما سئل یومئذ عن شئی قدم او اخر الا قال افعل ولاحرج۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعے پر منیٰ میں ٹھہرے اور لوگوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کئے۔ ایک آیا اور بولا:

مجھے معلوم نہ تھا اس لئے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں، اب قربانی کر لو۔ دوسرا آ کر کہنے لگا، مجھے علم نہ تھا پس میں نے رمی سے پہلے ہی قربانی دے دی۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں، اب رمی کر لو۔ غرض اس دن کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق پوچھا گیا ہو اور حضورؐ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ، کوئی مضائقہ نہیں اب کر لو۔

بے شعوری میں نماز کے اندر اس طرح کی تقدیم و تاخیر کی رعایت آپ کو نہ ملے گی۔ زکوٰۃ اور روزے میں بھی نہ دکھائی دے گی۔ یہ چھوٹ صرف حج میں کیوں ہے؟ اس لئے کہ جو رعائتیں دیوانگی کو ملتی ہیں وہ فرزانگی کو نہیں ملتیں۔

تقدیم و تاخیر کے علاوہ کمی بیشی کی رعایت بھی حج ہی میں پائی جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت سعیدؓ بن مالکؓ کی ایک روایت یوں نقل فرماتے ہیں:

طفنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنا من طاف سبعاً ومنا من طاف ثمانی

ومنامن طاف اکثر من ذلک۔ فقال صلی اللہ علیہ و سلم لا حرج۔

ہم لوگوں نے حضورؐ کے ساتھ طواف کیا ہم میں سے بعض نے سات طواف کئے بعض نے آٹھ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ طواف کئے حضورؐ نے (ہر ایک سے) یہی فرمایا کہ: کوئی مضائقہ نہیں۔

حج عشق و دیوانگی کا درس دیتا ہے اور عشق میں ایسی محویت کا ہو جانا کہ تعدادِ طواف یاد نہ رہے کچھ بعید نہیں۔ مگر یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ حج ایسی دیوانگی ہرگز نہیں سکھاتا جو عقل و کیاست اور فہم و فراست کو خیرباد کہہ دے بلکہ زیرکی یعنی عقل حیلہ گر کی اس کوتاہی و خامی کو دور کرتا ہے جو کسی اہم اقدام میں ہچکچاہٹ پیدا کرتی ہے اور اس اقدام سے پیچھے ہٹنے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے دلائل تراش لیتی ہے۔ یہی وہ زیرکی ہے جس کا سرچشمہ "ابلیسیت" ہے اور اسے مہمیز کرنے کے لئے اس عشق کی ضرورت ہوتی ہے جس کا منبع "آدم" ہے ؎

می شناسد ہر کہ از سر محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است (رومی)

یہی ہے وہ عشق جو عقل کو بھی اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے عقل کی مصلحت اندیشی، بہانہ سازی اور حیلہ جوئی ابھی غور و فکر کی منزلیں طے کر رہی ہوتی ہے اور عشق فیصلے کی منزل پہ پہنچ چکا ہوتا ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ایک سوال فریضۂ حج کا یہ ایک بڑا اہم مقصد واضح ہونے کے بعد ہر حاجی کو اپنے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد ہمارے اندر اپنے مقصدِ زندگی اور نصب العین سے وہ لگن پیدا ہوئی ہے جو حج کا سب سے بڑا درس ہے؟ کیا اپنے دین سے وہ عشق پیدا ہوا ہے جو کوئی اہم قدم اٹھاتے وقت عقل حیلہ گر اور بہانہ ساز زیرکی کے شیطانی وساوس کو روند کر آگے بڑھ جائے؟

✻

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا واحد دین مساوات ہے۔ مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ قدرت کے پیدا کردہ تفاوت و اختلاف کو سرے سے ختم کر دیا جائے یعنی ناٹے کو کھینچ کر

لمبا اور ٹھیگے کو دبا کر ناٹا کر دیا جائے، یا موٹے کو دُبلا اور دُبلے کو فربہ کر دیا جائے۔ یا تمام گوروں کو کالا اور سارے کالوں کو گورا کر دیا جائے۔ انسانوں کے رنگ و روغن میں، قد و قامت میں، پسند و ناپسند میں، افکار و گفتار و کردار میں، مزاجوں اور صلاحیتوں میں فرق رہے گا اور اسی طرح رہے گا جس طرح خورد و کلاں، شیخ و شاب، زن و مرد وغیرہ کا فرق ناگزیر طور پر موجود رہے گا۔ مساوات کا یہ مطلب بھی نہیں کہ شیر خوار بچے اور تندرست نوجوان کو بالکل ایک جیسی غذا دی جائے اور دونوں کی ہلاکت کا سامان کیا جائے۔ مساوات کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ قانون کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ کوئی بھی پیدائشی مخصوص حق لے کر نہیں آیا۔ زندہ رہنے کے لئے وسائل زندگی کا ہر انسان یکساں حق دار ہے خواہ وسائل کی نوعیت میں کتنا ہی فرق ہو۔ کسی کے لئے کوئی مخصوص رعایت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔ رعایت صرف ضعف کے لئے ہے۔ جو جس حد تک عقلی، جسمانی، مالی، علمی ضعف رکھتا ہے اسی حد تک اس کے لئے رعایت ہے اور اسی وقت تک ہے جب تک اس کا وہ ضعف باقی ہے۔ یہ ہے مساوات کا مطلب۔

اور اس مساوات کا روح پرور نظارہ حج کے موقعے پر قابلِ دید ہوتا ہے۔ دیکھنے سے جو بات حاصل ہوتی ہے وہ صرف سُننے سے ممکن نہیں۔ خدا آپ کو توفیق دے تو آپ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں کہ کس طرح گدا و شاہ، سفید و سیاہ، امیر و فقیر، زنگی و افرنگی، عربی و عجمی زبانوں کے بولنے والے مزدور پیشہ و کاریگر، محنت کش و صنعت کار، غرض ہر رنگ، ہر نسل، ہر زبان، ہر ملک اور ہر پیشے والے شانہ بشانہ طواف کرتے ہیں۔ لباس ایک جیسا، زبان پہ کلمات ایک جیسے، سعی ایک ساتھ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ کا قیام ایک ساتھ، رمی ایک ساتھ، قربانی و حلق ایک ساتھ۔ مساوات یوں تو نماز روزے میں بھی پوری طرح موجود ہوتی ہے لیکن حج میں تو مساوات کی ایسی مکمل تربیت و مشق ہوتی ہے کہ عالمی سطح پر کسی اور جگہ یہ ممکن ہی نہیں۔

ایک سوال ہاں یہ درست ہے لیکن یہاں بھی ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تربیت کا مقصد کیا ہے؟ صرف چند دنوں کے لئے مساوات کا ڈرامائی مظاہرہ؟ یا اقدارِ مساوات کو زندگی کا غیر منفک جزو بنانا؟ اگر پہلی بات ہے یعنی صرف چند روزہ مظاہرۂ مساوات کا ڈرامہ کھیلنا مقصود ہے کہ حج سے فارغ ہوتے ہی پھر وہی نسلی و ملکی اونچ نیچ، لونی و لسانی تفاوت، پیشے کی یا دیگر تفریق شروع ہو جائے تو یہ کوئی ایسا بلند مقصد نہیں جس کے لئے حج کی تمام مالی، وقتی، جسمانی صعوبتیں اور

قربانیاں برداشت کی جائیں لیکن اگر اس تربیت کا مقصد یہ ہے کہ فراغتِ حج کے بعد کی بقیہ زندگی میں اقدارِ مساوات روح کے اندر جذب ہو کر سراپا پیکرِ عمل بن جائیں تو یقیناً یہی حج کا صحیح مقصد ہے۔

ہر حاجی کو اپنے ضمیر سے دریافت کر کے جواب معلوم کرنا چاہیئے کہ ہمارے اندر احساسِ برتری یا احساسِ کمتری میں کیا فرق پیدا ہوا ہے؟ ذہن کہاں تک بدلا ہے اور مساوات کی رُوح نے زندگی کے کن کن گوشوں کو اپنی گرفت میں لیا ہے؟ نیز مساوات کی یہ مشق و تربیت محض نمائشی اور وقتی تھی یا اس لئے تھی کہ ہماری پوری زندگی میں دائمی طور پر کارفرما ہو جائے؟ ان سوالات میں ہر ایک کا جواب نہایت مایوس کُن اور تلخ ہے ہمارے معاشرے کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ملے گا جہاں مساوات کارفرما نظر آتی ہو۔ حج میں چند دن کے لئے اور نمازوں میں چند منٹ کے لئے تو مساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اس کے فوراً بعد وہی اونچ نیچ واپس آجاتی ہے۔

سنّتِ نبویؐ کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضورؐ نے کسی ایسے کام کو پسند نہیں فرمایا جس سے کسی کا تفوّق، امتیاز یا کسی قسم کی خود نمائی یا خود ترجیحی (SELF IMPORTANCE) کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ بیٹی کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر اتنی ناپسند فرمائی کہ اسے آگ کی زنجیر قرار دیا اور فرمایا:

یا فاطمة ایغرك ان یقول الناس: ابنةُ رسول الله وفی یدها مسلسلة من النار؟ (نسائی عن ثوبانؓ)

اے فاطمہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟

ظاہر ہے کہ ایک معمولی سا طلائی زیور عورتوں کے لئے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن حضورؐ اس عدمِ مساوات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ایک عورت کے ہاتھ میں طلائی زیور ہو اور دوسری عورتوں کے ہاتھ خالی ہوں۔

ایک صحابیؓ نے اپنا کمرہ دو منزلہ بنا لیا تو حضورؐ اپنا مُنہ پھیر کر راستے سے واپس تشریف لے آئے اور اس وقت تک راضی نہ ہوئے جب تک انہوں نے آکر دوسری منزل کو منہدم کر دینے کی اطلاع نہ دے دی۔ بات کیا تھی؟ صرف یہ کہ رہن سہن میں مساوات ہونی چاہیئے اور کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جس سے کسی کا امتیاز قائم ہو۔ یہ امتیاز ہی ہے جو مساوات میں فرق ڈالتا ہے اور یہی آگے

چل کر طبقاتی تفاوت پھر طبقاتی کشمکش پیدا کرتا ہے اور یہی فساد کی اصلی جڑ بنیاد ہے ـــــــ

آج مساوات کا یہ اسلامی انداز کس اسلامی ملک میں موجود ہے ؟ یہ صرف رہن سہن کی مساوات کا ذکر ہے۔ ابھی ذات پات، نسل و خاندان، ملک و قوم، رنگ و زبان اور پیشہ و حرفت کا ذکر باقی ہے۔ ان گوشوں میں بھی آپ کو کہیں مساوات نظر نہیں آئے گی۔ آپ گھوم پھر کر "روحانی مرکزوں" کو دیکھ جائیے۔ یہاں گدی نشین نسلاً بعد نسلٍ گدی نشین رہے گا اور قوال نسلاً بعد نسلٍ قوال ہی رہے گا۔ گدی نشین کبھی حفیظ قوال اور قوال کبھی واجب التکریم گدی نشین نہیں بن سکے گا۔ گویا ایک طبقہ برہمن ہے جو ہمیشہ برہمن رہے گا اور دوسرا تا ابد شودر رہے گا۔

آگے بڑھئے۔ جاگیردار ہمیشہ صاحب زمین رہا اور مزارع کو ہمیشہ محنت کش مزارع ہی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی صورت مِل کے مالکوں اور مزدوروں کی رہی ہے، افسروں اور ماتحتوں کی رہی ہے۔ صحابۂ کرام میں بھی بہت سے اہلِ ثروت موجود تھے لیکن رہن سہن میں انہوں نے فائق و برتر ہونے کا اظہار کبھی گوارا نہ کیا۔ سیدنا صدیقِ اکبر صلوات اللہ علیہ نے تمام لوگوں کے وظائف یکساں رکھے اور فرمایا کہ: سبقت الی الاسلام اور دوسری دینی خدمات کا صلہ و اجر اللہ کے ذمّے ہے۔ مگر دنیا میں معاشی ضرورتیں سبھوں کی یکساں ہیں[1]۔ سیدنا فاروقِ اعظم صلوات اللہ علیہ نے اپنے دَور میں مختلف درجات مقرّر کئے لیکن آخری دَور میں آپ کو یہ احساس ہوگیا کہ صدیقِ اکبر ہی کا فیصلہ صحیح تھا جو انشاء اللہ ایک سال تک نافذ کر دیا جائے گا[2]۔ رہن سہن کی مساوات کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ تفاوت پیدا کرنے والا کوئی تفوق سر نہیں نکالنے پاتا اور فاضل از ضرورت (العفو) دولت ضرورت مندوں کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ آج بڑے بڑے متقیوں کا یہ حال ہے کہ قیام باجماعت تو کر لیتے ہیں لیکن طعام باجماعت سے صاف کترا جاتے ہیں۔

اس مضمون کو طول دینے کی بجائے ہم یہیں ختم کر کے ہر حاجی سے اپنا جائزہ آپ لینے کی درخواست کریں گے کہ وہ حج کے سب سے بڑے سبق ـــــ مساوات ـــــ کے بارے میں خود فیصلہ کرے کہ یہ زندگی کے کن کن گوشوں کو اپنی گرفت میں لے سکتی ہے

---

[1] کتاب الاموال ص۲۶۳ لابن سلام طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ

[2] کتاب الاموال ص۲۶۴ لابن سلام طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ

مناسکِ حج صرف عشق و دیوانگی کا سبق یا محض مساوات کا درس نہیں۔ یہ سارے عالم کے مسلمانوں کی ایک بین الملّی اور بین الممالکی کانفرنس بھی ہے ایسی کانفرنس جو بیک وقت روحانی بھی ہے، سیاسی بھی ہے معاشرتی بھی ہے اور معاشی بھی ہے۔ تاکہ ایک ملک کے مسلمان دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے رابطۂ تعارف اور رشتۂ اخوت مستحکم کریں۔ ایک دوسرے کی ضرورت جانیں۔ ایک دوسرے کو سیاسی تقویت پہنچائیں۔ تجارتی روابط قائم کریں، مالی معاونت کریں، معاشی ہمواری قائم کریں مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے طریقے سوچیں اور سب سے بڑھ کر تبلیغ دین کے جدید طریقوں کو اپنائیں غرض دنیا کے لئے امتہ وسط اور شہداء علی الناس بنیں۔ منیٰ میں اپنی آرزوؤں (منیٰ) کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ عرفات میں ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ مزدلفہ میں خدا سے اور خدا کے بندوں سے اِزدلاف و قرب پیدا کریں۔ طواف سے سیروا فی الارض کا سبق سیکھیں اور سعی سے سعی پیہم کا درس حاصل کریں۔ رمی سے دشمن کو نشانہ بنانے کی صلاحیت پیدا کریں۔ قربانی سے ملّت کے لئے قربانی و ایثار اور خود اپنے نفسِ امّارہ کی قربانی کا درس حاصل کریں۔

٭

یہ بھی ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ سفرِ حج اور مناسکِ حج ایک سپاہی کی جفاکشانہ زندگی اور ایک مومن کی نفس کشی کی عجیب و غریب تربیت ہے۔ نفس کشی کا یہ عالم ہے کہ احرام باندھتے ہی روزے دار کی طرح بہت سی مباح چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں تاکہ حرام بطریقِ اولیٰ ترک ہو جائے۔ دل و دماغ۔ زبان اور ہاتھ پاؤں سبھوں پر قابو رکھنا پڑتا ہے۔ فلا رفث و لا فسوق و لا جدال فی الحج (حج: ۱۹۷) اور جفاکشی کی سپاہیانہ زندگی کا یہ انداز ہے کہ ابھی مکے میں ہیں اور صبح ہی صبح منیٰ پہنچ گئے اور وہاں ایک مکمل شہر آباد ہو گیا۔ دوسرے دن وہاں سے اُٹھے تو سیدھے عرفات پہنچ کر ایک نیا شہر بسا لیا۔ پھر وہاں سے شام کو چلے تو مزدلفہ میں آکر دم لیا اور برہنہ سروں کا ایک نیا شہر آباد ہو گیا صبح وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر منیٰ کی ویران بستی کو آباد کر لیا۔ ابھی یہاں ابھی وہاں۔ نہ دن کی دھوپ کی پروا، نہ شب کی اوس کا خیال۔ ایک ویرانہ بستی آباد ہوئی اور پھر اسے ویرانہ چھوڑ کر دوسرا شہر بسا لیا۔ یہ سب اللہ کے مجاہد سپاہی ہیں کفن بردوش۔ دیوانے ہیں مگر باہوش و گوش۔ پُرامن ہیں مگر سراپا جوش۔ درویش ہیں مگر محب بد سرفروش۔ سراپا زندگی ہیں مگر کفن پوش۔ صاحبِ ثروت ہیں مگر بے پروائے نادُونوش۔

گفتگو میں خاموش اور زبان پر لبیک کا شور و خروش، دست بکار و دل بسروش۔ کیا کہنے ہیں اللہ کے ان مجاہد سپاہیوں کے جو بظاہر تہی دست ہیں اور بباطن کائنات بہ آغوش۔

ایک سوال | یہاں بھی ویسا ہی سوال ہے اور ہر حج کرنے والے سے ہے کہ اس بین الاقوامی روحانی اجتماع سے ہم کیا کیا رُوحانی، سیاسی، معاشی، تجارتی، تعاونی فائدے حاصل کرتے ہیں؟ اور جس سپاہیانہ زندگی کی ٹریننگ حج میں دی جاتی ہے اور اس کا ہماری زندگی میں کہاں تک عمل دخل ہے؟

※

اب ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ حج کے وہ فوائد کیوں نہیں حاصل ہوتے جو واضح طور پر محسوس ہونے چاہئیں۔ لیشھدوا منافع لھم (حج : ۲۰) اس کا جواب دیتے ہوئے ہمیں بعض تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ اکلِ حلال اور صدقِ مقال کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور آج پورے یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں خصوصاً اکلِ حلال کا کہیں دُور دُور بھی پتہ نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کی روزی بلاواسطہ یا بالواسطہ حرمت سے قریب اور حلت سے دُور ہے۔ اسلام نے اکتناز دولت کو حرام قرار دیا ہے۔ گراں فروشی کو، ملاوٹ کو، احتکار کو، رشوت کو، سُود کو، غیر اللہ کے چڑھاووں کو قطعی حرام بتایا ہے۔ لیکن ہم میں سے کون ہے جو براہِ راست یا بالواسطہ اس میں ملوث نہیں؟

دوسری چیز یہ ہے کہ ہم بغیر کرایۂ مکان ادا کئے حرم میں نہیں ٹِک سکتے اور مکہ مکرمہ کی زمین و مکان کے متعلق جو احکام ہیں وہ ملاحظہ ہوں،

(الف) من اکل کراء ارض مکۃ فکانما اکل الربا[1]

(جو مکے کی زمین کا کرایہ کھاتا ہے وہ گویا سود کھاتا ہے)

(ب) مکۃ مناخ لا تباع رباعھا و لا تواجر بیوتھا[2]

(مکہ ایک پڑاؤ ہے نہ اس کے قطعات فروخت کئے جائیں نہ یہاں کے مکانوں کو کرائے پر دیا جائے)

---

[1] ہدایہ ج ۴ ص ۴۲۵ طبع دہلی عہ رباع جمع ہے رَبع کی، اس کے معنی گھر، گھر کے اردگرد کی زمین۔ خشتہ اتھنے کی جگہ۔ [2] احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۲۲۸ طبع مصر

(ج) مکۃ حرام وحرام بیع رباعہا وحرام اجر بیوتہا[1]

(مکہ بلد حرام ہے اور یہاں کی زمین کو فروخت کرنا اور یہاں کے گھروں کی اجرت (کرایہ) لینا بھی حرام ہے۔

(د) ان اللہ حرم مکۃ فحرام بیع رباعہا واکل ثمنہا. وقال: من اکل من اجر بیوت مکۃ شیئا فانما یاکل نارا[2]

(اللہ نے مکے کو بلد حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس کی زمینوں (یا مکانوں) کو بیچ کھانا بھی حرام ہے)

آج آپ یہ ممنوع کام کئے بغیر حج ہی نہیں کر سکتے۔ ۱۳۹۴ھ میں ہم پانچ آدمیوں نے مل کر ۱۰×۸ فیٹ کا ایک کمرہ دوسری منزل پر پندرہ سو ریال یعنی پنتالیس سو روپے میں دو ہفتے کے لئے لیا تھا۔ راہِ خدا میں اس سے بھی زیادہ رقم ایک دن میں صرف ہو جائے تو عین سعادت ہے لیکن دیکھنا صرف یہ ہے کہ کیا یہ لین دین کوئی ایسا ممنوعہ بیوپار تو نہیں جو پہلے ہی قدم پر پورے عمل حج کو ضائع کر دے؟ العیاذ باللہ

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فی نفسہٖ غلط ہوتی ہیں لیکن ابتداءً ان کی غلطی سے چشم پوشی کی جاتی ہے پھر یہ خاموشی مسلسل قائم رہنے کی وجہ سے انہیں تواتر کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ جزوِ دین بن کر داخل عقیدہ ہو جاتی ہیں۔ ہزار سال سے زیادہ مسجد حرام میں چار مصلّے جزوِ اسلام بنے رہے اور آخر سعودی حکومت نے ایک صحیح قدم اٹھا کر سارے مصلّے ختم کر دیئے اور صرف ایک مصلّیٰ باقی رکھا۔

کیا عجب کہ کرایۂ مکان کے واضح حکم میں بھی اسی قسم کی ڈھیل ابتدا میں دی گئی ہو اور اس کے بعد تواتر کی شکل اختیار کر کے یہ گناہِ عظیم کا بھی کارِ ثواب بن گیا ہو۔ اگر بغرائے الضرورۃ تبیح المحظورات اسے درست قرار دیا گیا ہے تو اس ضرورت کو واضح کرنا چاہیئے اور یہ بھی بتانا چاہیئے کہ یہ احکام وقتی و عارضی تھے یا دوامی ہیں؟

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۸۲ طبع مصر۔

[2] ذ ۳ سنن دار قطنی ج ۳ ص ۵۸ طبع مصر ۱۳۸۶ھ۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے بعض نئی بدعات سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اگرچہ کتاب وسنّت میں اس کا سراغ نہ ملتا ہو۔ آپ کو کہیں کتاب وسنت میں پاسپورٹ، فوٹو، ویزا اور ایکسچینج کا سراغ نہیں ملے گا۔ کتاب وسنت میں ہیضے وچیچک کے ٹیکے لگوا کر سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کا ذکر بھی نہیں ملے گا۔ لیکن اب ایک دینی فریضہ حج ان چیزوں کے بغیر ادا کرنا تقریباً محال ہے۔ اس کا بھی کہیں ذکر نہ ملے گا کہ اتنے دنوں سے زیادہ مکّے یا مدینے میں قیام نہیں کیا جا سکتا بسکہ یہ ساری باتیں مصالح امت کی خاطر ہی قبول کی گئی ہیں۔ اگر کرایہ مکان کی سود خورانہ آگ کھانے کے لئے بھی اسی قسم کا کوئی جواز ہو تو اسے واضح کر دینا چاہیئے۔

☆

شعائر اللہ میں مقام ابراہیم بھی ہے اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّٰی۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا نشانِ قدم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی پر کھڑے ہو کر آپؑ تعمیرِ کعبہ فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ پتھر دیوارِ کعبہ سے متصل ہی ہو گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طواف میں اس سے کچھ رکاوٹ پڑتی تھی تو غالباً سیدنا فاروقِ اعظم صلوات اللہ علیہ کے عہد میں اسے دیوارِ کعبہ سے ذرا دُور ہٹا دیا گیا۔ پھر کسی دَور میں اس پر ایک کوٹھڑی سی بنا دی گئی اور یہ صدیوں تک رہی موجودہ دَور میں طواف کرنے والوں کے اژدہام کی وجہ سے اسے بہت مختصر سی ایک مدوّر برجی کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں جب میں سفرِ حج سے لوٹا تو ایک مختصر سا رسالہ مجھے کسی نے دیا۔ یہ حکومتِ سعودیہ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا اور اس میں یہ خیال یا فتویٰ درج تھا کہ بوقتِ ضرورت مقامِ ابراہیم کو اَور دُور بھی ہٹایا جا سکتا ہے تاکہ طواف کرنے میں تھوڑی سی جو رکاوٹ ہنوز پیدا ہوتی ہے وہ بھی نہ رہے۔

ایسی ایسی کئی ترقیاتی اصلاحات موجودہ دَور میں ہوئی ہیں حج فلم کا تصوّر بھی پہلے گناہِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے جب متحدہ ہندوستان میں پہلی بار حج کا ایک حصہ فلم پر دکھایا گیا تو اس کے خلاف زبردست مظاہرے کئے گئے تھے لیکن اب پاکستان، ایران، کویت وغیرہ نے بہترین رنگین فلمیں تیار کر کے پیش کی ہیں اور یہ سب کچھ حکومتِ سعودیہ کی اجازت سے ہوا ہے۔

علاوہ ازیں سارے عرب میں اب ریڈیو کی اتنی بہتات ہے کہ اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اب تو ٹی وی آ گیا ہے اور ریڈیو اسٹیشن کی طرح ٹی وی اسٹیشن بھی قائم ہو گیا ہے۔ ریڈیو پہ ہر روز صبح

مغرب اور عشاء کی نمازیں حرم شریف سے پہلے ہوتی ہیں۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو اپنے مکانوں ہی سے ٹرانزسٹر کے ذریعے جماعتِ حرم میں شرکت کرتے دیکھا ہے۔

ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ضرورتاً زمانہ خود ہی موقعے موقعے سے اصلاحات کرتی چلی جائے گی اور جو اصلاحات غیر ضروری ہوں گی ان کو زمانہ خود ہی ختم کرتا چلا جائے گا۔

اس وقت ہم صرف ایک چیز کا ذکر کر کے مضمون ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے مسئلۂ قربانی۔ ہم حج کے موقعے پر قربانی روک دینے کے حق میں تو نہیں لیکن دو باتوں کو ضروری سمجھتے ہیں:

ایک تو قربانی دینے والے قربانی کی حیثیت و مقام کو سمجھ لیں۔ واجب کو سنت اور سنت کو فرض اور فرض کو مباح سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے۔ قربانی نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنۃ ترغیب فی موکدۃ یثاب فاعلہا و لا یعاقب تارکہا[1] (قربانی ایک ایسی سنتِ موکدہ ہے جس کا کرنے والا مستحقِ ثواب تو ہے مگر اسے ترک کرنے والا قابلِ عقوبت نہیں) یعنی کرنا تو ثواب ہے لیکن نہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حج کے موقعے پر چوپایوں کا جس قدر بے دریغ ضیاع ہوتا ہے وہ اب اسراف کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ایسا انتظام ضروری ہے کہ کلوا منہا و اطعموا البائس الفقیر[2] پر عمل ہو سکے۔

ضرورت ہے کہ علمائے کرام ایک تو کرایۂ مکان سے بچنے کی تجاویز پیش کریں اور دوسرے ایسی تجاویز پیش کریں جن سے قربانیوں کا ضیاع نہ ہونے پائے۔

انشاء اللہ ہم بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی تجاویز ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج اوّل ص۷۱۶

[2] اس قربانی میں سے خود بھی کھاؤ اور بدحال حاجتمند کو بھی کھلاؤ (حج: ۲۸)